منصبِ افتاء اور مُفتی کی ذِمّہ داریاں

تحریر : محمد المکیّ ناصری' ترجمہ : پروفیسر نور احمد شاہتاز

منصب افتاء جس قدر پر وقار ہے اتنی ہی یہ ذمہ داری نازک بھی ہے۔ اس منصب کے کچھ اپنے تقاضے ہیں۔ ثقاہت علمی اور عدالت و دیانتداری کے ساتھ ساتھ ایک مفتی کا دور اندیش اور زیرک ہونا بھی انتہائی ضروری ہے۔ پاکستان کے تقریباً تمام شہروں اور دیہاتوں میں نامور مفتیان کرام کی ایک بڑی تعداد بحمد اللہ فریضہ افتاء کی ادائیگی میں مصروف ہے اور عوام پاکستان دینی معاملات میں مفتی کی رائے (فتویٰ) کو ہی حتمی سمجھتے ہیں۔ اصحاب علم و فضل اور نامی گرامی مفتی صاحبان کے علاوہ ایسے افراد کی بھی ہمارے ہاں کمی نہیں جو محض نام و نمود کی غرض سے اپنے نام کے ساتھ مفتی کا سابقہ لاحقہ بڑے طمطراق سے استعمال کرتے ہیں اگرچہ وہ اس علمی و فقہی معیار پر کسی طور پر پورے نہ اترتے ہوں جو مفتی کے لئے درکار ہے۔ چنانچہ گلی محلوں میں اس طرح کے مفتیوں کی کمی نہیں جو محض اپنے قد کاٹھ' ڈیل ڈول' وضع قطع اور جبہ و دستار کے بل بوتے پر مفتی کے درجہ پر فائز ہیں۔ اس طرح کے مفتی حضرات عموماً بڑے سوشل (Social) اور جذبہ افہام و تفہیم (Compromising mind) کے حامل ہوتے ہیں اور علاقہ میں ان کا اثر و رسوخ بھی ان کی انہی خوبیوں کی بناء پر ہوتا ہے۔ دینی مسائل میں ان کے ہاں خاصی لچک پائی جاتی ہے' اور اختلافی مسائل میں ان کی رائے کا ایک اہم اصول "ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے" مقرر ہے۔

چونکہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں لوگ دیگر شرعی مسائل کی طرح "منصب مفتی" کے لئے بھی بنیادی شرائط اہلیت تک سے واقف و آگاہ نہیں' اس لئے وہ ہر "دعویدار مفتی" اور ہر "امیدوارِ منصب افتاء" کو محض اس کے دعویٰ کی بنیاد پر مفتی تسلیم کرتے ہوئے اس سے شرعی مسائل میں رجوع کرنے لگتے ہیں اور پھر جب اس کی دی ہوئی رائے (فتویٰ) کو مطابق شریعت نہیں پاتے تو وہ دین اور علماء دین کے خلاف یکساں منفی رجحانات کا شکار ہو کر

اصل مفتیوں اور شرع اسلام تک کو نظروں سے گرا دیتے ہیں۔

پاکستان میں کچھ لوگ حادثاتی طور پر بھی مفتی بن گئے ہیں۔ مثلاً کسی دینی ادارے کے سربراہ کا انتقال ہوا جو واقعی مفتی تھے تو اب ان کا انتظامی جانشین بھی منصب افتاء پر براجمان ہو گیا' جبکہ کچھ لوگوں کو وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل کی ممبری کی ہوس نے مفتی بنا دیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے قیام کے وقت یہ طے پایا تھا کہ اس میں ایسے اسکالرز کو شامل کیا جائے گا جو کم از کم پندرہ سال سے تدریسی' تحقیقی یا افتاء کی ذمہ داری ادا کر رہے ہوں۔ شروع شروع میں واقعتاً حقیقی علماء و اسکالرز ہی کو اس میں شامل کیا گیا۔ لیکن ضیاء الحق مرحوم کے انتقال کے بعد جیسے ہی "عوامی دور" آیا اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت میں بھی عوامی قسم کے مفتیوں کے تقرر کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ بہت سے عوامی مفتیوں نے شیروانیوں سمیت اسلام آباد یاترا شروع کر دی۔ مذکورہ اداروں میں گنجائش کم تھی' کچھ کی قسمت نے یاوری نہ کی اور پھر اقتدار کے ردوبدل میں بہت سے امیداروں کی شیروانیاں بغیر حلف لئے پرانی ہو گئیں۔ کئی خود ساختہ مفتی ان اداروں میں جانے سے محروم رہے' تاہم انہیں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس طرح انہیں اپنے نام کے ساتھ مفتی کا بھاری بھرکم لفظ استعمال کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اللہ ان کے حال پر رحم فرمائے۔

ذیل میں منصب افتاء کے لئے درکار اہلیت اور مفتی کا ٹائٹل (لقب) استعمال کرنے کی اجازت سے متعلق فقہاء و آئمہ اسلام کی تصریحات و آراء پر مبنی ایک فکر انگیز تحریر کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے' جو محمد المکی ناصری کی ہے اور "الشریعۃ والفقہ والقانون" نامی رسالہ سے ماخوذ ہے' جو مراکش سے شائع ہوا ہے :

ظہورِ اسلام سے اہل اسلام اپنے مذہب کی تعلیمات نسل در نسل حاصل کرتے رہے ہیں۔ سابقون الاولون نے تعلیم دین براہ راست جناب سرور کائنات خاتم الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوۃ والسلام سے حاصل کی اور نبی اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم دین اس فریضہ کی ادائیگی کے طور پر فرمائی جس کے لئے آپ مبعوث کئے گئے تھے اور اس حکم کی تعمیل فرمائی جو آپ کو آپ کے رب نے ان الفاظ میں دیا تھا۔

﴿ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ' وَاِنْ لَّمْ

تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ (المائدة : ٦٧)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد لوگوں نے تعلیم دین ان لوگوں سے پائی جو "ورثہ رسول" اور حاملین دین متین قرار پائے۔ امت کے اس گروہ نے تبلیغ دین کا فریضہ اس حکم ربانی کے پیش نظر دیا : "لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ" (آل عمران : ۱۸۷) نیز "اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الۡكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ"
(البقرة : ۱۵۹)

چونکہ ان اہل علم کے نزدیک (حسب حکم الٰہی) کتمانِ دین موجبِ لعنت تھا اس لئے انہوں نے تبلیغ دین میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔

قران کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے دیگر اوصاف کے علاوہ سابقون الاولون کے ان سوالات کو بھی محفوظ رکھا ہے جو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم دین کے سلسلہ میں کیا کرتے تھے۔ ان سوالات کی حفاظت اس لئے بھی ممکن ہوئی کہ یہ نزول وحی کا زمانہ تھا اور احکام شرعیہ کے بارے میں استفسارات یا بیان شدہ احکامات کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں سوالات کے جوابات بذریعہ وحی دیئے جاتے تھے۔ اکثر و بیشتر اس قسم کے استفسارات کے لئے جو صیغہ قرآن نے استعمال کیا ہے وہ "سوال" کا ہے اور بسا اوقات لفظ "استفسار" استعمال ہوا ہے جس کے معنی "طلبِ فتویٰ" ہیں۔ اس قسم کے بعض سوالات سورہ بقرہ میں ہیں' جن کی تعداد سات ہے {۱} ایک سوال سورہ مائدہ' ایک سورہ انفال اور دو سورۃ النساء میں ہیں۔ {۱'۲'۳} مثلاً

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِيۡضِ ؕ قُلۡ هُوَ اَذًى .... الخ

وَيَسۡتَفۡتُوۡنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِيۡهِنَّ ..... الخ

یہ تو سوالات و استفسارات کی وہ قسم ہے جو اہل ایمان کی طرف سے کئے گئے یا تعلیم و اخذ دین کی خاطر تھے اور جن کے پیچھے مثبت جذبہ (Positive Thinking) کار فرما تھا۔ جبکہ استفسارات کی دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق اعداء اسلام سے ہے' ایسے استفسارات ہمارا موضوع بحث نہیں کیونکہ ان کا مقصد حقائق دین جاننا ہرگز نہ تھا بلکہ غرض دین میں

جدال و فساد اور خواہ مخواہ کی بحث و تکرار پیدا کرنا تھا تا کہ لوگوں بالخصوص نو مسلموں کے ذہن کو پراگندہ اور نبی اکرم ﷺ کو پریشان کیا جا سکے۔ ایسے استفسارات کی مثال "وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي "{۵} ہے۔

جہاں قرآن کریم نے دینی نوعیت کے ایسے استفسارات جو صیغہ سوال سے شروع ہوتے ہیں انہیں محفوظ کیا وہیں سنّتِ رسول ﷺ نے ایسے متعدد استفسارات کی حفاظت کا بندوبست کر دیا جن میں صیغہ استفتاء یا افتاء کا استعمال زبان رسالت یا کلام صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ اس قسم کے استفسارات سے کتب صحاح و سنن و مسانید کا ذخیرہ مملو ہے۔ چنانچہ اسی نہج پر چلتے ہوئے سلف صالحین کی اتباع میں مسلمانوں کے ہاں استفتاء و افتاء کی سنت جاری ہوئی اور اس کے لئے لفظ فتویٰ کا استعمال عام ہوا۔ اب ہر دینی معاملہ و شرعی استفسار استفتاء یا فتویٰ کہلاتا ہے۔

لفظ فتویٰ کا اشتقاق اور فقہاء کے ہاں اس کے اصطلاحی معنی

لغت کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ "الفتوی" اشتقاقی لحاظ سے لفظ "الفتاء" سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور الفتاء کے معنی نو عمری کے ہوتے ہیں کہا جاتا ہے فتو' یفتو' فتاء' وفتی' یفتی' فتی' فھو فتی السن یعنی نو عمر۔

علامہ ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں اور ان کی متابعت میں ابو حیان نے اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ (وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ) کے {۶} ضمن میں لکھا ہے "الفتیاء) تبیین' لمشکل من الاحکام "یعنی "فتیا" کے معنی احکام میں مشکل امور کی وضاحت کے ہیں' اور اس کی اصل "الفتی" ہے جس کے معنی ایسا نوجوان جو پروان چڑھ رہا ہو اور توانا ہو' گویا مفتی وہ ہے جو ایسے امور کی وضاحت کر کے انہیں جاندار بنا دے جن کا سمجھنا ویسے دشوار ہو۔

امام رازی نے "اَفْتُونِي فِي اَمْرِي" کے معنی میں لکھا ہے "ای افتونی' اجیبونی فی الامر الفتی "یعنی اس مشکل امر میں مجھے مشورہ دو' جواب دو۔ اور

فتویٰ کے معنی کسی مسئلہ میں نیا جواب ہیں۔ گویا یہ لفظ "حدیث السن" یا نو عمری کے لئے استعمال ہونے والے صیغہ "فتی" سے استعارۃً لیا گیا ہے {۷}۔ شافعیہ کا کہنا ہے کہ فتویٰ کے معنی کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا نیا جواب ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ پیش آمدہ مسئلہ یا تو فی نفسہ بالکل نیا ہو گا یا پھر اس سے ملتے جلتے مخصوص مسائل کے اعتبار سے وہ نیا ہو گا {۸}۔

اصطلاح فقہاء میں فتویٰ کے معنی کسی شرعی مسئلہ میں مستفتی کو اس پر عمل کا پابند کئے بغیر حکم شرعی کو بیان کر دینا ہے اور استفتاء کا جواب مفتی کی جانب سے زبانی ہو گا' الا یہ کہ سائل تحریری سوال کرے اور اس کا تحریری جواب چاہے۔

چونکہ دینی امور میں فتویٰ دینے کی ذمہ داری انتہائی اہم ہے اور مسلمانوں کی زندگی پر فتویٰ کے مثبت یا منفی اثرات بھی یقینی ہیں' اس لئے مختلف مذاہب فقہ کے علماء نے فتویٰ نویسی یا "افتاء" کو خصوصی اہمیت دی ہے اور اس کے لئے باقاعدہ قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں جن کا لحاظ رکھنا اور ان سے غفلت نہ برتنا مفتی کے لئے انتہائی ضروری ہے تاکہ اس شعبہ کو بازیچہ اطفال نہ بنالیا جائے۔ ایسے لوگ جو اس منصب کے اہل نہ ہوں انہیں اس منصب کے وقار کی پامالی کا باعث نہ بننا چاہئے اور اہل ہوا و ہوس کو اسے اپنی خواہشات کا تختہ مشق نہ بنانا چاہئے تاکہ "افتاء" مذاق بن کر نہ رہ جائے۔

اس کا صحیح علاج ابوالقاسم الصیمری محمد بن اسحاق (۲۷۵ھ) نے' ابوبکر خطیب بغدادی نے' ابو عمرو عثمان بن اصلاح نے' امام نووی نے' شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی نے' شمس الدین الذہبی نے' ابن قیم جوزیہ نے اور برہان الدین ابن فرحون نے تجویز کیا ہے۔ اسی طرح گیارہویں صدی ہجری کے بعض مشائخ جیسے ابراہیم اللقانی' منصور بن یونس البھوتی اور تیرھویں صدی کے بعض علماء جیسے محمد بن علی السنوی نے اس کا حل تجویز کیا ہے۔ اسی طرح مختصر خلیل کے بعض شارحین جیسے الحطاب اور تحفہ ابن عاصم کے بعض شارحین جیسے التسولی وغیرہ نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔ یہ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ فتویٰ کے غلط استعمال و اصدار کے نتائج بہرحال خطرناک ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس منصب پر ایسے ہی شخص کو فائز ہونا چاہئے جس کی علمی ثقاہت' فکری نزاہت نیز دین سے پختہ تعلق مسلم ہو۔

کارِ افتاء کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے؟

امام مالک کہتے ہیں کسی عالم کو اس وقت تک فتویٰ دینے کا اختیار نہیں جب تک لوگ (اہل علم) اسے اس لائق قرار نہ دیں۔ یعنی اس کی اہلیت پر علماء صاد کریں اور وہ خود بھی اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا ہو {۹} امام دار الہجرۃ امام مالک خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت تک فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک کہ ستر (۷۰) جید علماء نے اس بات کی توثیق نہیں کی کہ میں اس کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ {۱۰}

المازری کہتے ہیں : "قاضی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کو مفتی مقرر کرے بلکہ فقہاء ہی کسی کو یہ منصب سونپ سکتے ہیں"۔ {۱۱}

خطیب بغدادی کہتے ہیں "امام (حاکم) کو چاہئے کہ وہ مفتیوں کے ذاتی کردار اور علمی حیثیت کی چھان بین کرے' پھر جسے اس قابل پائے اس کا تقرر کرے اور جس میں یہ صلاحیت نہ پائے اسے معزول کر دے بلکہ اس کو ڈرا بھی دے کہ بلا اہلیت وہ اس منصب تک دوبارہ پہنچا تو اسے سزا دی جائے گی۔ رہا مسئلہ یہ کہ امام (حاکم) کس طرح صحیح مفتی کا انتخاب کرے تو اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ وہ ہم عصر علماء سے دریافت کرے اور ان میں سے ثقہ علماء کی رائے کو اختیار کرے"۔ {۱۲}

ابو الفرج ابن جوزی کہتے ہیں کہ ایسے لوگ جو فتویٰ دینے کے اہل نہ ہوں مگر مفتی بن بیٹھیں ان کے ساتھ وہی کرنا چاہئے جو بنو امیہ نے کیا کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں خود تو راستہ معلوم نہیں مگر سواروں کو راستہ و منزل بتاتے ہیں یا ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنہیں طب کی ابجد تک معلوم نہیں مگر معالج بنے بیٹھے ہیں۔ بلکہ خود ساختہ مفتی تو ان تمام قسم کے لوگوں سے بدتر ہے اور جب ایک ایسے شخص کو علاج کرنے کی حکومت اجازت نہیں دیتی جو ماہر طبیب نہ ہو بلکہ صرف عطائی ہو تو پھر کسی ایسے شخص کو "افتاء" کی اجازت دینا جو کتاب و سنت کا عالم اور فقیہ نہ ہو' سراسر ظلم و زیادتی ہے۔

اس موقف کی تائید اس حدیث رسول (ﷺ) سے بھی ہوتی ہے جس کے راوی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں کہ : اللہ تعالیٰ علم کو یوں نہیں اٹھائے گا کہ علم ہی

اچک لیا جائے بلکہ علم اس طرح اٹھایا جائے گا کہ کوئی عالم نہ رہے گا اور لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنانے لگیں گے جو بغیر علم کے لوگوں کے استفسارات کا جواب اور استفسارات پر فتویٰ جاری کرنے لگیں گے' چنانچہ یہ جو خود گمراہ ہیں اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

حافظ ابن حجر نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ افتاء میں حقیقتاً سرداری ہے اور اس حدیث سے انہوں نے جاہل مفتیوں کی مذمت پر استدلال کیا ہے۔ بعض مشائخ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جاہل قسم کے مفتیوں پر سخت برہم ہوتے' یہاں تک کہ کسی نے ابن قیم سے ازراہ تمسخر کہہ دیا کہ آپ مفتیوں کے محتسب ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا : کیوں نہیں؟ اگر روٹی پکانے والوں اور باورچیوں پر محتسب مقرر ہو سکتا ہے تو مفتیوں پر محتسب کیوں نہیں ہو سکتا؟ {۱۳}

تحفہ ابن عاصم کے شارح شیخ التسولی کے زمانہ (۱۲۴۳ھ) میں "المغرب" میں احتیاطی تدابیر کے طور پر امام (حاکم) کو مفتیوں کی نگرانی و سرزنش کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔ نظام قضاء پر جاہل مفتیوں کے فتاویٰ کے منفی اثرات کے پیش نظر افتاء عام پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ التسولی نے اس پابندی پر تنقید کی اور کہا کہ افتاء قضاء کی طرح فرض کفایہ ہے۔ {۱۴}

(جاری ہے)

حواشی

{۱} سورۃ البقرہ' آیات ۱۸۹۔۲۱۵۔۲۱۷۔۲۱۹۔۲۲۰۔۲۲۲

{۲} سورۃ المائدہ' آیت نمبر ۴

{۳} سورۃ الانفال' آیت نمبر ۱

{۴} سورۃ النساء' آیت نمبر ۱۲۷۔۱۷۶

{۵} ابن العربی' احکام القرآن جلد ۱' ص ۵۰۳

{۶} ابو حیان' تفسیر ابی حیان جلد ۳' ص ۳۵۹

{۷} فخرالدین رازی' تفسیر کبیر' جلد ۶' ص ۴۰۸

{۸} ابراہیم اللقانی' اصول الفتویٰ' ص ۴۳' ۴۴ (غیر مطبوعہ)

{۹} القرافی' الفروق' جلد ۲' ص ۱۱۰

{۱۰} النووی' المجموع جلد ۱' ص ۴۱

{۱۱} التسولی' جلد ۱' ص ۴۵

{۱۲} ادب الفقیہ والمتفقہ' ج ۲' ص ۱۵۲

{۱۳} ابن قیم' اعلام الموقعین' ج ۴' ص ۱۸۹

{۱۴} التسولی علی التحفہ' ج ۱' ص ۴۵